

فصل العاشر

قوسہ سبیل

مسودہ دستور پر

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

کے تقریر

۲۷ فروری ۱۹۷۳ء کی شام کو قومی اسمبلی میں مسودہ دستور پر عام بحث کے دوران شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ نے جو تقریر ارشاد فرمائی اسے ہم اسمبلی سیکرٹریٹ کی رپورٹنگ کی مدد سے یہاں پیش کر رہے ہیں۔



نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

جناب سپیکر صاحب! مجوزہ دستور کا جو مسودہ ہے اس کے متعلق مختصراً کچھ عرض کرنے سے پہلے اتنی گزارش ہے کہ کسی ملک کا آئین اس ملک کی موت و حیات کا مسئلہ ہوتا ہے۔ آئین کے ذریعہ دستور کا مسئلہ پر ذاتی اور سیاسی افراد کے حقوق، رعایا کے حقوق، باشندگان ملک کے مفادات مفاد سے بالاتر ہے اور حکومت کی بالادستی وغیرہ تمام امور کا تعین ہو جاتا ہے۔ تو دستور نہ کسی فرد کا مسئلہ ہے نہ کسی جماعت کا نہ کسی خاص شہر یا مخصوص دیہات کا مسئلہ ہے نہ کسی ایک صوبے کا بلکہ یہ کل قوم اور ملک کا مسئلہ ہے۔ تمام پاکستانی قوم کا مسئلہ ہے۔ اس لئے گزارش یہ ہے کہ اس مسئلہ پر نہایت تحمل اور تدبیر سے غور کیا جائے۔ اس کے لئے مناسب تفصلاً قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ایوانِ دہلی میں روایتی کشیدگی نہ ہونی چاہئے۔ آپس کی مفاہمت اور محبت کی صورت میں پورے دستور کی رفوعات پر غور ہو سکتا ہے۔

میرے مہتمم جہانی جتوئی صاحب ابنا اب عبدالحق جتوئی نے اس سے قبل تقریر کی تھی (نے بہت ہی اچھے الفاظ میں بعض چیزوں کی نشاندہی کی ہے کہ اس وقت جو مضامین لکھے گئے ہیں۔ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ان کو موافق معیار سے بدلی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئین کی ہر دفعہ پر نہایت ٹھنڈے

دل سے غور کیا جاسکے گا۔ یہ تو تمہیدی طور پر گزارش تھی جو میں نے پیش کی۔

پاکستان سوشلزم کیلئے تو نہیں بنا | دستور کے متعلق یہاں یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا دستور سوشلزم کے اصولوں پر ہوگا۔ (ایک مقررہ سے نوک جھونک کے دوران بعض اراکین نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے تھے)۔ اس لئے کہ ہمارے منشور میں یہ چیز واضح طور پر موجود ہے، تو میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ سوشلزم تو نعرہ ہے پیلیز پارٹی کا۔ اور دستور کسی ایک پارٹی کے لئے نہیں بن رہا ہے بلکہ یہ پورے پاکستان کے لئے بن رہا ہے جس کے باشندے یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور دوسری طرف آپ سوشلزم کی بنیاد رکھ رہے ہیں تاکہ رفتہ رفتہ یہ ملک پورے طور پر اشتراکی بن جائے ان کے میں پوچھتا ہوں کہ یہ آئین پورے پاکستان کے لئے بن رہا ہے اسے ہم پاکستانی قوم کے لئے بنا رہے ہیں یا کسی پارٹی کے لئے۔

یہ آئین نہ میری جماعت (جمعیت العلماء اسلام) کا ہے نہ پیلیز پارٹی کا، نہ نیشنل عوامی پارٹی یا مسلم لیگ کا ہے بلکہ پوری مسلمان قوم کے لئے ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ چونکہ ہماری پارٹی کا منشور یہی سوشلزم ہے۔ اس لئے ہم اپنے منشور کے مطابق آئین بنائیں گے تو میری رائے میں یہ بڑی زیادتی ہوگی۔

قیام پاکستان کی بنیاد اسلام | میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس وقت کہ برصغیر کی تقسیم ہو رہی تھی اس وقت میں ہندوستان میں تھا۔ یوپی کے مسلمان بہار کے مسلمان سی پی کے مسلمان ان سب مقلات کے مسلمانوں سے میری ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ اور قائد اعظم بھی وہاں تشریف لاتے تھے ان مسلمانوں سے جب دریافت کیا جاتا کہ تم تو اقلیتی صوبوں کے مسلمان ہو تمہارے لئے پاکستان بننے میں کیا فائدہ ہو گا تم تو ذلیل ہو جاؤ گے۔ تو مجھے خوب یاد ہے کہ وہ جو پچھ سات کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اکثریت کے صوبوں میں پاکستان کی شکل میں اسلام کا مینار بلند ہو، جہاں اسلامی معاشرہ ہو، اسلامی تمدن ہو، جہاں اسلامی معیشت ہو۔ اگر یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ قائد اعظم کہتے ہیں تو ہماری یہ جانی اور مالی قربانیاں یہ سب کچھ اسلام کے قیام و بقا کی خاطر کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں۔ اور جب اس قربانی کے صلہ میں وہاں پر اسلامی نظام قائم ہو جائے تو ہمیں قیمت وصول ہو جائے گی۔

مجھے یہ بات خوب یاد ہے کہ قائد اعظم سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ جو پاکستان بنا رہے ہیں وہ علاقہ تو مسلمانوں کی اکثریت کا ہے۔ لہذا یہ اقلیت داسے علاقے کے مسلمان کیا کریں گے تو

ایک دفعہ ان کی زبان سے یہ نکلا کہ میں ان کا جنازہ اسلام کے لئے پڑھ چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ہم ان کا جنازہ پڑھ چکے ہیں اور ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے بدلے ہم کو اسلامی نظام مل جائے گا۔ لیکن یہ بڑی انسو کی بات ہے کہ آج ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ ہمارے دستور میں سوشلزم ہو۔ کیا پاکستان سوشلزم کے لئے بنا تھا؟ اگر پاکستان سوشلزم کے لئے بنا تھا۔ تو پچیس ہزاروں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کو غلام بنانے کی کیا ضرورت تھی اور ہزاروں آدمی جو قتل اور شہید ہوئے اور عورتوں کی عصمتیں غیر محفوظ ہوئیں۔ پھر اس کی کیا ضرورت تھی، کیا یہ سب کچھ سوشلزم کے لئے بنا تھا۔ یہ مقصد تو متحدہ ہندوستان میں بھی حاصل ہو سکتا تھا۔

اسلام سرکاری مذہب کی دفعہ اور اسکے تقاضے | ہمارے اس دستور میں ایک دل خوش کن بات یہ ہے کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا۔ میرے ایک بھائی (چوہدری غفور الہی صاحب) نے آج کے اجلاس میں ایک جملہ کہا تھا کہ اس دفعہ کی کیا ضرورت تھی اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب ہم یہ تسلیم کر لیں اور تجویز کریں کہ یہاں کا مذہب سرکاری سطح پر اسلام ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب اسے کل کا کل اسلام نافذ کرنا ہوگا۔ مذہب کا معنی ہے طریقہ، راستہ، کسی طریقہ پر چلنا تو حکومت کس طریقہ پر چلے گی؟ اسلام کے طریقے پر چلے گی یا کسی اور طریقے پر۔ یعنی ہمارے چلنے کا ہماری زندگی کا ہمارے طرز حکومت کا ہماری پالیسی کا جو راستہ ہوگا وہ کیا ہوگا؟ آیا وہ اسلامی ہوگا یا غیر اسلامی تو اب اس دفعہ کے شامل ہونے کی وجہ سے بڑا فائدہ ہوگا کہ اب یہ سب کچھ اسلام کے مطابق ہوگا اس عنوان کا یہی تقاضا ہوگا کہ ہمارے چلنے کا راستہ اسلام کے مطابق ہوگا اور دیکھتے ہیں جن ملکوں میں ان کے اپنے نظریات کے مطابق حکومتیں ہیں جیسے روس میں اشتراکیت کا نظام ہے۔ اور وہ سرکاری سطح پر ہے تو وہاں تمام ملک میں کوئی شخص ایسی تقریر نہیں کر سکتا جو اشتراکیت کے خلاف ہو وہاں کوئی سرمایہ دارانہ نظام کی بات نہیں کی جاسکتی۔ سرمایہ داری کی تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہاں اشتراکیت حکومتی سطح پر ہے۔ تو یہ ایک بڑی اچھی بات ہے۔ اور بڑی اچھی تجویز ہے کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ تو میں یہ عرض کروں گا کہ یہ عنوان ہے تو بڑا خوش آئند لیکن اس عنوان پر اکتفا نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہوگا اور فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمارے ملک میں لادینی نظام ہوگا یا اسلام کا نظام۔ ہے؟ ظاہر بات ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم میں سے کوئی شخص لادینی نظام کو نہیں چاہتا ہم جب دینی نظام چاہتے ہیں جس کا عنوان یہ ہے۔ گو سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ تو اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک میں اگر کوئی تبلیغ اگر کوئی

تقریر یا تحریر سرکاری مذہب کے خلاف ہوگی تو وہ شخص باغی شمار کیا جائے گا۔ تو مجھے اس اچھی بات پر یہ کہنا ہے کہ آیا صرف نام کا ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہوگا صرف کافی ہوگا نہیں بلکہ عملاً بھی۔ تو بتائیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔

اسلامی کونسل کی حقیقت | اسلام کے تقاضے کیا ہیں؟ ان پر بھی غور کرنا ہے۔ صرف اسلامی نام رکھ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسکی صورت یہ ہے۔ کہ آئین کی دفعہ ۲۲۷ سے پورے دروازوں کے ذریعہ اسلام کے خلاف قوانین بننے کے راستے بند کئے جائیں دفعہ ۲۲۷ میں ہے اس ملک میں کوئی قانون اسلام اور قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنے گا۔ کیا اس کے مجوزہ طریق کار کے مطابق یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اس کے لئے اچھی دفعات کو موثر بنانا ہوگا۔ اسے اس طرح مضبوط کرنا ہوگا کہ قرار کے راستے بند ہو سکیں پورے دروازوں کی گنجائش نہ رہے۔ مجھے ان دفعات کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوگا۔ تو اگر کسی صوبائی یا مرکزی ایوان میں ایسا کوئی قانون بن جائے جو قرآن و سنت کے خلاف ہے تو کیا عوام کو اس ملک کے باشندوں کو یہ حق ہوگا کہ اسے عدالت میں چیلنج کر سکیں اور وہاں یہ کہا جاسکے کہ طلاق دفعہ قرآن و سنت ہے۔ تو اس آئین کی رو سے اسے کالعدم قرار دیا جائے یہ ضمانت دی جائے کہ کوئی قانون اگر خلاف قرآن و سنت اس ملک میں بنا، تو اس کی پارہ جوٹی کے لئے ہم عدالت تک جاسکیں اور اسے ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں کالعدم قرار دیا جاسکے لیکن موجودہ آئین میں یہ تحفظ نہیں دیا گیا ہے۔ زیادہ حصہ ہیرا پھیری کا ہے۔ اس میں یہ تو کہا گیا ہے کہ اگر کوئی قانون اسمبلی میں پیش ہو تو اس کے لئے ہم ایک اسلامی کونسل بنائیں گے اگر متنازعہ قانون ہو تو ہم اسلامی نظریات کے اس کونسل کے پاس اس قانون کو بھیجیں گے تو اسلامی کونسل کے سلسلہ میں چند باتیں ضروری ہیں۔

ایک تو یہ کہ جو اسلامی کونسل اس سوڈہ میں تجویز کیا گیا ہے۔ اس کے افراد زیادہ سے زیادہ ۱۵ ہو سکتے ہیں، جن میں دو سچ ہوں گے چار علماء دین ہوں گے۔ اب یہ اسلامی کونسل جو ان قوانین کا فیصلہ کرے گی۔ اور وہ یہ کہ آیا یہ اسلامی قوانین ہیں یا نہیں تو ظاہر بات ہے کہ اس کے اسلامی ہونے نہ ہونے کا فیصلہ تو وہ کر سکتا ہے جو اسلام کا ماہر ہو۔ لیکن جیسا کہ اس میں کہا گیا ہے کہ اس کونسل میں ۱۵ ارکان ہوں گے جن میں سے دو ہائی کورٹ کے جج ہوں گے جو انگریزی قوانین کے ماہر ہوں گے۔ اور چار علماء ہوں گے اور باقی کے متعلق کچھ نہیں ذکر کہ وہ کون ہوں گے تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ

اکثریت کس کی ہوگی۔

عبدالحق صاحب: — مولانا چار نہیں، کم از کم چار علماء ارکان لکھا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب: — بہر تقدیر اسکی حد متعین ہونی چاہئے کہ کونسل کی اکثریت علماء ارکان کی ہوگی۔ چونکہ ہم مسلمان ہیں۔ اہم دین سے ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی قانون رائج کیا جائے تو کم سے کم یہ تو کیا جائے جیسے اگر اسمبلی کو کوئی فنی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اس کے لئے فنی ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے کہ تمہاری اس بارہ میں کیا رائے ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کونسل کے ممبران کی اکثریت ماہرین دین یعنی علماء کی ہونی چاہئے۔ اگر یہ چیز اس میں رکھ دی جائے۔

ڈپٹی اسپیکر: — علماء کم از کم چار ہیں۔ (زیادہ کی بھی گنجائش ہے۔)

مولانا عبدالحق صاحب: — باقی کی تعداد معلوم ہونا چاہئے جو کونسل کے اند اس کی مخالفت نہ کریں۔ ممکن ہے کہ اگر اود ارکان اسکی مخالفت کریں غلط فیصلہ کریں تو اکثریت کی بنیاد پر وہ علماء کی رائے کو ستر کر دیں گے۔

پھر آئین میں یہ ہے کہ گورنر صدر یا اسمبلی یہ کہے کہ فلاں قانون اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کیلئے بھیجا جائے تو اسے بھیجا جائے گا۔ لیکن اگر فرض کیجئے کہ صدر یا گورنر یا اسمبلی نے اسے ضروری نہ سمجھا تو وہ کونسل کے پاس نہیں جائے گا۔ اہم اس پر اسمبلی ہی میں فیصلہ ہوگا۔ اور قانون وضع کر لیا جائے گا۔ اور اگر اسمبلی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تو فیصلہ اسمبلی کی اکثریت پر ہوگا۔ اور اسمبلی کی اکثریت اگر یہ کہے کہ ہم اسے اسلامی کونسل میں نہیں پہنچانا چاہتے تو اقلیت میں جو لوگ ہیں، وہ کہہ نہیں کر سکیں گے ایسی صورت میں۔۔۔۔۔

ڈاکٹر مبشر حسن: — جناب اسلامی کونسل کے پاس ایوان بھی بھیج سکتا ہے۔ گورنر بھی اور صدر بھی بھیج سکتا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب: — تو بہر حال ایوان کے بھیجنے کی صورت میں تو اکثریت کے اعتبار سے ہوگا۔ اور اگر اکثریت نہ بھیجنا چاہے تو معاملہ یہیں رہے گا۔ اور ممکن ہے ایوان خلاف دین فیصلہ کر دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ گورنر صاحب نے صدر صاحب نے یا اسمبلی نے اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کے لئے کوئی قانون بھیج کر معلوم کرنا چاہا کہ یہ خلاف قرآن و سنت ہے یا نہیں ہے۔ تو وہاں تو بھیج دیا گیا مگر یہاں مسودہ میں ہے کہ اگر اسمبلی یا حکومت سمجھتی ہے۔ مفاد عامہ کی خاطر۔ تو جواب آنے سے قبل ایوان میں قانون وضع کر لیا جائے گا۔ تو گویا کونسل کے مشورے کے

مطالب کرنے کے بارہ میں کہا گیا کہ کونسل سات سال میں ممتی رپورٹ تیار کرے گی۔ گویا سات سال میں کونسل رپورٹ دے اور آخر میں آکر ایوان یہ کہہ دے کہ ہمیں منظور نہیں تو ساری رپورٹ ردی کی تو کرنی میں چلی جائے گی (تو یہاں بھی اسمبلی کو اس رپورٹ کا پابند بنادینا ضروری ہے۔)

مخصوص بینچ | تو اس کے لئے ایک ضمانت آئین میں یہ دینی چاہئے کہ ایک عدالت عالیہ ہو اس میں علماء اہل دین شریعت اور دیگر ماہرین کا ایک مخصوص بینچ ہو جو اس بارہ میں فیصلہ کر سکے۔
کوشش نہیں، ضمانت | اس آئین میں کچھ خوبیاں بھی ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں گے جس سے لوگ اس قابل بن جائیں کہ قرآن و سنت کے مطابق ان کی تربیت ہو اور انہیں سمجھایا جائے گا۔ کہ قرآن و سنت کی زندگی کیسی ہو۔ یہ تو منطقی الفاظ کا چکر ہے قابلیت کے معنی تو امکان اور صلاحیت ہے، اور وہ تو ہر وقت موجود ہے۔ ایسے اقدامات سے پہلے اگر ہم میں قابلیت نہ ہوتی تو ہم خدا کے جانب سے مکلف کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہی حال سمجھنے سمجھانے کا ہے۔ اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی سمجھنے والے تو آج بھی ہزاروں لوگ ہیں۔ پچانوے فیصد مسلمان سمجھتے ہیں کہ سود برا ہے، زنا برا ہے، بڑا برا ہے۔ تو کیا پالیسی کے رہنما اصول میں یہ لکھنے سے کہ معاشرہ میں قابلیت پیدا کی جائے گی، مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟

رہنما اصول کی حیثیت | اسے عوام کی قابلیت اور استعداد اور سمجھنے پر نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ لازمی قرار دینا چاہئے۔ اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ ان اصلاحات کو پالیسی کے اصول میں رکھا گیا ہے اسکی آئینی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ سٹر جیسٹس میئر نے کہا ہے کہ جیسے لوگ اپنی پارٹی کے انتخابات کے وقت عوام کے سامنے منشور پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ اس کے گردیدہ ہو جائیں یہی حیثیت آئین میں پالیسی کے رہنما اصول کی ہوتی ہے۔ قانوناً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

املاک کی جبری منبلی اور ملکیت کی تحدید | آئین میں یہ بھی ہے کہ افراد کے حقوق مالیہ کا تحفظ ہوگا، الا یہ کہ اگر ضرورت ہو تو ضرورت کے وقت اسکی اجازت ہوگی کہ کسی ملکیت کی تحدید کر دے یا اگر مفاد عامہ کے لئے کوئی ضرورت ہو تو حکومت بلا معاوضہ بھی اموال کو لے سکتی ہے۔ تو میں اتنی بات عرض کروں گا کہ اسی ضرورت کی بنیاد پر اگر ایک شخص جو بھوکا ہے اس کے بچوں نے کالج کی فیس دینی ہے۔ اور اس کے پاس پیسے نہیں تو وہ شخص اس ضرورت کی بناء پر کسی کی جیب کاٹتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے جیب کاٹی ہے۔ تو اس پر آپ چوری کا قانون کیوں نافذ کرتے ہیں وہ بیچارہ بلا عوض لیتا ہے مگر کیا اسے ضرورت نہیں؟ تو کیا ضرورت

ہیں جو دہی اور حبیب ترانہ کی اجازت دے سکتی ہے۔

میرے خیال میں جب ہم نے اسلامی آئین کو بنیاد بنا لیا ہے تو اس تسیم شدہ بات کہ ہم اسلامی آئین بنائیں گے، کا تقاضا ہے کہ ایسی دفعات ختم کر دیں چاہئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **كل ما المسلم على المسلم حراماً دماً ومالاً وعرضاً**

(مسلمان کا مال، جان، آبرو، سب کچھ دوسروں پر حرام ہے۔) اور چلتے ہم اس کے لئے تیار ہیں کہ اموال چھین لئے جائیں مگر اس میں یہ قید بہر حال لگانی چاہئے کہ ناجائز اموال انگریزوں کی دی ہوئی جاگیریں ظلم کے ذریعہ حاصل کی گئی دولت ضبط کریں گے، لیکن اس صورت میں آپ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ ایسے اموال ضبط کرنے کا حکومت کو حق ہے، لیکن وہ بھی حکومت کو نہیں ملیں گے اصل مستحقین اور حقداروں کو واپس پہنچانے ہوں گے جن سے چھینی گئی تھی وہ لوگ مل سکیں تو ان کو دی جائے گی، لیکن آپ عوام کی تعلیم اور مفادات عامہ کے لئے دوسرے کے اطلاق ضبط کرنا چاہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایک شخص کو زندگی دینے کیلئے دوسرے کا گلہ کاٹ دیں۔ انصاف نہیں۔ اور پھر کیا مفاد عامہ کے لئے ہمارے بیت المال اور خزانہ میں اور طریقوں سے گنجائش نہیں نکل سکتی۔ بہت سارا روپیہ ہماری عیالوں پر خرچ ہوتا ہے، بڑی بڑی بلڈنگوں پر ہماری موٹروں پر، ہماری زیب و زینت پر خرچ ہوتا ہے۔ اسے کم کیوں نہیں کیا جاتا۔ تو ہم اس کو کم کر دیں اس طرح بیت المال میں جو اموال جمع ہوں گے محتاجوں پر خرچ کریں۔

دیکھئے حضرت عمرؓ کی کیا حالت تھی، قیصر و کسریٰ اور تاج و تخت کے مالک بنے، قبضہ

میں دولت خزانے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے۔ دس دس پوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر خطبہ دیتے ہیں اور زمین پر لیٹتے ہیں۔ اور ایک دفعہ کھانا کھا رہے تھے۔ تو جو کی روٹی کھا رہے تھے، ایک گورنر آیا اسے بلا کر بٹھایا اور کہا کہ کھاٹیے۔ اس نے کہا کیسے کھاؤں۔ یہ تو جو ہے اور اس کا بھوسہ بھی نہیں نکالا گیا۔ تو کیسے نگلے گا، یہ تو گلے میں پھنس جائیگا۔ تو جو اموال حرام طریقے سے جو، شراب کی وجہ سے حاصل ہوئی ہیں۔ اسے تو ضبط کیا جاسکتا ہے۔ حلال اموال کو نہیں۔

ڈپٹی سپیکر صاحب:۔ مولانا آپ فرمائیں رکھیں۔ آپ نے کتنا وقت لینا ہوگا۔ کیا آپ آج تقریر ختم کر سکتے ہیں۔ تھوڑے وقت میں (کیونکہ اسمبلی ختم ہونے کا وقت نو بجنے کو تھے) یا کل تقریر جاری رکھنا چاہیں گے۔

مولانا عبدالحق صاحب:۔ اگر آپ دس منٹ بڑھا دیں تو ختم کر دوں گا۔

ڈپٹی سپیکر:۔۔۔ پھر آج ہی تقریر کو ختم کر دیں (حزب اختلاف سے اصرار تھا کہ کل بھی جاری رہے گی۔ تو سپیکر نے کہا۔)

ڈپٹی سپیکر:۔۔۔ میرا خیال ہے کہ ممبر کی آزاد ہی میں کوئی آدمی دخل نہ دے۔ دونوں طرف سے، مولانا صاحب کی تقریر کا سلسلہ ٹوٹ جائیگا۔ مولانا صاحب کو تقریر کرنے دیں۔
پروفیسر غفور احمد:۔۔۔ مولانا یہ خود کی روٹی والی بات ان کو کچھ اچھی نہیں لگی۔

مولانا عبدالحق صاحب:۔۔۔ بہر حال میں دو باتیں عرض کر دوں کہ جو اموال حرام طریقے پر، ظلم کے طریقے پر، انگریز یا کفاروں کے خوش کرنے کے ذریعہ یا کسی اور طرح سے یا سود کی وجہ سے یا شراب کے ذریعہ حاصل کی گئیں وہ بے یبجے اور اگر کوئی اصل حقدار ہے تو اسے حوالہ کر دیجئے اگر مالک نہیں ملتا تو بیت المال میں رہے، لیکن جو حلال آمدنی ہے وہ کسی طرح لینا جائز نہیں۔ دیکھئے یہ آئین تو ہم اس لئے بنا رہے ہیں کہ اسی کے ذریعہ لوگوں کو اطمینان دلائیں کہ تمہاری جان تمہارا مال تمہاری آبرو، شخصیتیں محفوظ ہوں گی تو جب اس آئین میں ہم نے ایسی دفعات رکھیں تو گویا آئین میں آیا کہ ہم تو لوگوں کو کاٹیں گے تو اس طرح حفاظت کب ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر آپ زمینیں بلا معاوضہ لینے کی دفعہ رکھیں گے، تو جو مالک ہیں وہ پیداوار بڑھانے میں دلچسپی نہیں لیں گے زمین پر محنت نہیں ہوگی اور جب زرعی آمدنی کم ہوگی تو ملک کیسے چلے گا۔ پھر لازماً کارخانے اور صنعتیں بھی اس سے متاثر ہوں گی۔

صدر اور وزیر اعظم کا محاسب | دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آئین میں یہ دفعہ بھی ہے کہ صدر کو اختیار حاصل ہے کہ کسی شخص کے متعلق اگر سزا سے موت کا حکم ہوا ہے تو صدر اسے بھی معاف کر سکتا ہے۔ تو میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو صدر کو وزیر اعظم کا پرائیویٹ سیکرٹری بنا دیا گیا ہے کہ کوئی کام وہ بغیر وزیر اعظم کی مرضی کے نہیں کر سکتا، بلکہ ہر معاملہ میں خوشی سے دستخط کرے گا۔ اور دوسری طرف اسے اتنا اختیار دیا گیا کہ خدائی حدود اور اختیارات کے مقابلے میں بھی صدر کی پوزیشن اتنی بڑھادی گئی کہ خدا کا حکم ہے کہ: **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا اُولٰٓئِكَ لَا بُدَّ لَكُمْ** کہ تمہیں قصاص سے زندگی ملے گی۔

خدا نے حکم دیا کہ ایک شخص نے جرم کیا قتل عمد کیا ہے اسکو قتل کیا جائے مگر کیا صدر مملکت خدا کے مقابلے میں اتنا زور آور ہے کہ وہ کہے کہ میں معاف کر سکتا ہوں۔

مولانا مفتی محمود:۔۔۔ مولانا اور صدر کا یہ حکم بھی وزیر اعظم کے بغیر نہیں چلے گا۔
مولانا عبدالحق:۔۔۔ پھر تو دونوں مجرم ہوئے۔

ڈاکٹر میشر حسن :۔ پرائنٹ آف آرڈر سر۔ جناب والا مفتی صاحب دخل اندازی کر رہے ہیں اور فاضل مقرر کو تقریر نہیں کرنے دیتے۔ فاضل ممبر کو ہدایات دے رہے ہیں۔ انہیں (مفتی محمود کو) کہیں کہ ادھر نہ کر کے بیٹھیں۔

ڈپٹی سپیکر :۔ اصل میں ہمارے علاقے کے دونوں بڑے علماء ہیں جن کا علم ٹکرا رہا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب :۔ (تقریر جاری رکھ کر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جب مکہ معظمہ میں حکومت قائم ہوئی ایک قریش عورت جس کا نام فاطمہ تھا اور بنی محترم میں سے تھیں، اس نے چوری کی، چوری کا ثبوت ہو گیا۔ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ کے پاس گئے کہ آپ سے سفارش کریں تو انہوں نے کہا کہ بھائی ہم تو کچھ نہیں کہہ سکتے، حضرت اسامہؓ جو حضور کو بہت عزیز تھے، ان کے پاس جاؤ حضرت اسامہؓ کے پاس آئے اور انہوں نے جب حضورؐ سے سفارش کی تو حضورؐ نے بڑی ناراضگی سے فرمایا: اے حد من حدود اللہ۔ تم خدا کی حدود میں سفارش کرتے ہو۔ اس میں تو مجھے بھی کوئی اختیار نہیں کہ تخفیف کروں۔ اور پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خدا نے تمہیں حکومت دی کہ عدل و انصاف قائم کرو، تو آج جب خاندان کا معاملہ آیا جو تم نے سفارشی شروع کیں۔ دیکھو اس سے پہلے جب لوگوں کے پاس حکومتیں آئیں تو انہوں نے یہی کیا کہ حدود اور قصاص کو غریبوں پر تو نافذ کر دیا مگر اپنے خاندان پر جاری نہ کیا تو وہ ہلاک ہو گئے، فرمایا میں تو کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اور وہاں ایک عجیب جملہ آیا ہے جس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے، فرمایا یہ تو فاطمہ خنزدیہ ہیں۔

دلوالت فاطمہ بنت محمد سرقت (اعاذھا اللہ) لقطعت یہ رہا۔ فاطمہ بنت محمد

میری بیٹی جو سیدۃ النساء اہل الجنۃ ہے۔ خدا اسکی حفاظت کرے اگر اس کے ہاتھ سے بھی خدا خواستہ چوری ہو جائے تو اس کے ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔

— تو یہاں اسلام کے اندر امیر اور غریب کا کوئی فرق نہیں تو یہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ وزیر اعظم اور صدر کو بمقابلہ حکم خداوندی کے آئے جبکہ ہم نے طے کیا ہے کہ یہاں کوئی چیز اسلام کے خلاف نہیں ہوگی۔ ہاں ایک ہیں تعزیرات، حدود اور قصاص میں تو کسی کو اختیار نہیں پہنچتا حضورؐ فرماتے ہیں کہ میرا بھی اختیار نہیں ہے۔

— تو دنیا کے صدور کو کیا اختیار ہوگا۔ البتہ تعزیرات کہ سیاست سزاؤں میں کمی

میشی کر دی جائے۔ فرض کیجئے کہ شراب نوشی کا دور دورہ ہو ایک شخص بار بار حد قائم ہونے کے بعد بھی منع نہ ہو، چار پانچ دفعہ شراب پی لے، حدیث میں آتا ہے کہ اسے قتل کر دو، یہ سیاست ہے۔ حد نہیں، قاضی کو اس کا اختیار دیا گیا تعزیرات میں صدر تخفیف کرنا چاہیے تو کر سکتا ہے۔ لیکن سزائے موت جو قصاص اور قتل کرنے کی صورت میں ہو تو مقتول کا خون ضائع کر کے صدر اسے ساقط نہیں کر سکتا۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ اور نہ حقوق العباد میں کسی کا تصرف چل سکتا ہے۔

آئندہ نسلیں کیا کہیں گی | الغرض آئین میں کچھ باتیں اچھی بھی ہوں مگر زیادہ تر اسلامی امور کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں چاہئے کہ آئندہ نسلوں کے لئے اسلامی آئین پیش کر دیں کہ وہ بھی کہیں کہ جس آئین کے لئے سات کروڑ مسلمانوں کو ہندوستان میں غلام کیا گیا تھا۔ جس آئین کے لئے پچیس سال ہزاروں افراد شہید ہوئے، لاکھوں عجمتیں لٹیں اگر پیلیز پارٹی نے اسے اپنی اکثریت اور تسلط کے زور سے مسترد نہ کیا تو مسلمانوں کی قربانی کام آتی دوسری صورت میں آئندہ نسلوں کا کیا رد عمل ہوگا؟

جناب والا! میں نے تو پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مسئلہ نہ حزب اختلاف کا ہے نہ حزب اقتدار کا، بلکہ ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے تو اسے خلوص دل اور ایمان داری سے مرتب کریں کہ لوگ ہمیں دعائیں دیں، اور خدا بھی خوش ہو، اور یہ تب ہوگا کہ ایسی فضا پیدا کریں کہ چیقلش اور منافرت نہ رہے۔ اور ہر شخص کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع مل سکے۔ اگر پیلیز پارٹی یہ کہے کہ چونکہ ہم برسرِ اقتدار ہیں اور فلاں دفعہ کو منظور کرانا وقار کا سوال ہے۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہم لوگوں کی اکثریت ہاں کہہ کر اسے ہر حالت میں پاس کر دے گی تو کیا یہ ظلم نہ ہوگا۔ آئین پر ظلم نہیں کرنا چاہئے۔ اس طرح ہم حزب اختلاف والوں کو بھی چاہئے کہ ہم اس نقطہ نگاہ سے کام نہ لیں کہ یہ مسودہ چونکہ ہمارے ان بھائیوں نے پیش کیا ہے۔ اس میں ضرور ہر جگہ کچھ نہ کچھ تنقید کرنی ہے۔ جتوئی صاحب (عبدالحمد صاحب جتوئی) پیلیز پارٹی میں ہیں۔ لیکن انہوں نے کتنی اچھی باتیں کہیں، جو ان کی صوابدید میں درست تھیں، یہی جذبہ سب ارکان کو اپنانا چاہئے۔ ہم قوم کے مفاد، افراد کے مفاد اسلام کے مفاد میں جو بھی بات ہو اسکی ترمیم پیش کریں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

مسودہ دستور میں شیخ الحدیث مدظلہ کی پیش کردہ تقریباً ایک سو تیرا میم اور اکابر جمعیتہ العلماء اسلام کی ترمیم اور اس بارہ میں دستور ساز اسمبلی کا طرز عمل اور دیگر دستوری تفصیلات آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔